اور برجستگی میں بے نظیر ہیں۔ یہ بامقصد اور صالح تحریریں نہایت مؤثر سوز وگداز میں ڈوبی ہوئی اور از دل ریزد بر دل خیزد کا عمدہ نمونہ ہیں۔ یہ وہ ادب ہے جس کی تابندگی اور تاثیر کے سامنے ساری لفاظیاں اور ساری خطابت ہیچ معلوم ہوتی ہے۔ اور غالباً یہی بڑا سبب ہے کہ ان کی کتابیں نہایت مقبول عام ہیں۔

حضرت نعمانی ایک عالم ربانی تھے اور نہایت جامع کمالات شخصیت، جو بیک وقت دینی خدمات کے کئی سارے محاذوں پر سرگرم۔ علماء ربانیین اور جماعت دیوبند کے اکابرین سے مخلصانہ روابط وتعلق اور ان سے عقیدت واحترام اور اس مسلک کی حفاظت میں وہ سرگرم رہے۔ اکابر سے روحانی کسب وفیض ایک طرف انجام پا رہا ہے دوسری طرف تبلیغی جماعت کے ساتھ طویل دعوتی واصلاحی دورے ہو رہے ہیں۔ تیسری طرف الفرقان کی ادارت کا فریضہ بھی ہے جس پر نامساعد حالات بھی آتے ہی رہتے ہیں۔ خانگی ذمہ داریاں اور اہل خانہ اور بچوں کی تعلیم وتربیت پر بھی پوری توجہ ہے۔ علمی، دینی، دعوتی وفکری تصنیفات کا سلسلہ الگ ہے۔ خطابات اور مکتوبات کی جولانیاں ہیں۔ تبلیغی جماعت کے بارے میں یار لوگ کہتے ہیں کہ یہ لوگ ''آسمان سے اوپر کی اور زمین سے نیچے کے علاوہ کوئی بات ہی نہیں کرتے''، مگر حضرت نعمانی کی زندگی اور ان کی ساری چلت پھرت اس مشہور عام مقولہ کی مکمل تردید کرتی ہے، کہ وہ تبلیغی جماعت کے بارے میں بھرپور وقت لگانے کے ساتھ دوسرے اجتماعی تقاضوں سے عہدہ برآ ہوتے ہیں، ملی وجماعتی کاموں میں بڑھ چڑھ کر شامل، عام مسلمانوں کی جان ومال کی حفاظت، اسلام واسلامی تعلیم اور مسلم پرسنل لا کی بقاء کی جدوجہد سے ذرا بھی غافل نہیں ہیں بلکہ دوسروں سے کچھ آگے ہی ہیں۔

تقریباً سات سو صفحات پر مشتمل یہ کتاب صاحب سوانح کی 70 سے کچھ اوپر سالوں کی جہد وعمل کی داستان راستان ہے۔ ان کی 92 سال کی یہ بابرکت اور بافیض زندگی تلاش حق، احیاء دین، عقائد حقہ کے تحفظ، ملت اسلامیہ کی اصلاح، تزکیہ وسلوک، رسوخ فی العلم، اخلاص عمل اور روشن ملی خدمات کے تابندہ نقوش کی ایک تاریخ ہے جس میں قاری ایک پورے عہد کو اپنے سامنے پاتا ہے۔ بعض جگہوں پر مصنف نے کچھ اختصار سے کام لیا ہے۔ ورنہ حضرت نعمانی کا ذکر جمیل ہو اور مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی کا گہربار قلم ہو تو یہی جی چاہتا ہے کہ یہ تذکرہ اور دراز ہو اور دراز ہو۔ حضرت نعمانی کی ایک مکمل سوانح عمری اہل علم پر ایک قرض تھا جو اس کتاب سے اتر گیا ہے اور واقعہ ہے کہ خانوادہ نعمانی میں بھی شاید کوئی اور مصنف مدظلہ سے بہتر اس قرض سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا تھا۔

کتاب میں کتنے ہی مقامات ایسے ہیں جو ہم جیسے طالبان علم کے لیے عقدہ کشا اور سرمہ بصیرت ہیں۔ امید ہے کہ مصنف مدظلہ کی دوسری کتابوں کی طرح یہ بھی ہاتھوں ہاتھ لی جائے گی۔ (تبصرہ نگار: ڈاکٹر غطریف شہباز ندوی)

جان کائزر کی کتاب ''امیر عبدالقادر الجزائریؒ'' پر ماہنامہ ''الحق'' کا تبصرہ

انیسویں اور بیسویں صدی عیسوی میں مسلم ممالک پر مغرب نے اپنے نت نئے حملوں کا آغاز کر دیا' بہت سے مسلم ممالک پر قبضہ کر کے اپنے استعماری تسلط کو برقرار رکھا۔ اس استعماری یلغار کے خلاف ان مسلم ممالک کے عوام الناس اور علماء وکرام نے مزاحمت کا پرچم بلند کیا۔ اپنی جرات واستقلال عزیمت واستقامت حوصلہ اور تدبر کی داستانیں تاریخ

میں ثبت کیں اوران کی قربانیوں کواپنوں نے کیا، ان کے دشمنوں نے بھی سراہا اور جب ۱۸۳۰ء میں فرانس نے مسلمانوں کے ریاست الجزائر پر تسلط قائم کرنے کی کوشش کی، جس کی مزاحمت میں اس وقت کے عظیم مجاہد شیخ محی الدینؒ نے فرانسیسوں کے خلاف جہادی تنظیم منظم کی۔ اس کے دیرپا ثمرات مرتب ہونے پر اس نے اپنے جواں سال بیٹے عبدالقادر کوامیر بنا کر باقاعدہ جدوجہد کا آغاز کیا اور رفتہ رفتہ ایک بڑی تحریک کی شکل اختیار کرگئی۔ امیر عبدالقادر جوان، توانا، باہمت اور پرعزم ہونے کے ساتھ ساتھ جذبات کی رو میں بہنے والی شخصیت نہیں تھے بلکہ ہر قدم کوغور وتدبر اور اپنی جماعت مجاہدین کی وسیع تر مفاد کی بنیاد پر اٹھاتے رہے۔

زیر تبصرہ کتاب اس عظیم مجاہد کی طویل جدوجہد پر مبنی عزیمت وجہاد کی لمبی داستان ہے جو آج کے ہر نوجوان، ہر عالم دین اور ہر مجاہد کے لیے مشعل راہ ہے۔ کتاب کے پیش لفظ میں نامور سکالر علامہ زاہدالراشدی صاحب لکھتے ہیں:

''امیر عبدالقادر الجزائری'' مغربی استعمار کے تسلط کے خلاف مسلمانوں کے جذبہ حریت اور جوش ومزاحمت کی علامت تھے اور وہ اپنی جدوجہد میں جہاد کے شرعی واخلاقی اصولوں کی پاس داری اور اپنے اعلیٰ کردار کے حوالے سے امت مسلمہ کے محسنین میں سے ہیں۔ ان کے سوانح وافکار اور عملی جدوجہد کے بارے میں جان کائزر کی یہ تصنیف نئی پود کوان کی شخصیت اور جدوجہد سے واقف کرانے میں یقیناً مفید ثابت ہوگی۔ ایسی شخصیات کے ساتھ نئی نسل کا تعارف اوران کے کردار، افکار اور تعلیمات سے آگاہی استعماری تسلط اور یلغار کے آج کے تازہ عالمی منظر میں مسلم امہ کے لئے راہنمائی کا ذریعہ ہے اوراس سمت میں کوئی بھی مثبت پیش رفت ہمارے لئے ملی ضرورت کی حیثیت رکھتی ہے۔''

بدقسمتی سے معاصر مذہبی رسائل وجرائد میں امیر عبدالقادر الجزائری کی بہت زیادہ کردارکشی کی گئی، انہیں نقلی اور جعلی مجاہد جیسے القابات سے یاد کیا گیا۔ لیکن بنیادی طور پر ایک نقطہ سب کی نظروں سے اوجھل رہا۔ وہ یہ کہ کتاب ایک انگریز مصنف جان کائزر کی تصنیف ہے۔ بہت سی ایسی چیزیں جواس نے اپنی طرف سے شامل کی ہیں، ان کا امیرؒ سے کچھ تعلق ہے یانہیں؟ ہمیں ان مسائل کا تجزیہ کرنا چاہیے تھا۔ ہمیں بڑی خوشی ہوتی کہ کوئی مسلمان مصنف اور مورخ اردو یا عربی میں ان کی سوانح لکھتا، لیکن افسوس کہ ہم اپنوں کی قدر نہ کرسکے۔ مولانا زاہدالراشدی صاحب نے امیر عبدالقادر کی تشبیہ مولانا عبیداللہ سندھیؒ سے دے کر بہت سے مسائل کوسلجھا دیا ہے۔ کاش مولانا سندھیؒ کے تحریک کا ادراک ہم کرتے ہیں اور یہ عقدہ بڑی آسانی سے حل ہوتا۔ امیر عبدالقادر کوعرب دنیا خصوصاً الجزائر وغیرہ میں اب بھی وہی حیثیت حاصل ہے جس طرح اسلامی دنیا خصوصاً پاکستان وافغانستان میں شیخ اسامہ بن لادن اور ملا محمد عمر صاحب مدظلہ کو حاصل ہے۔

بہرحال کتاب ظاہری ومعنوی ہر اعتبار سے مرصع ہے۔ البتہ ترجمہ کومزید سلیس، رواں اور آسان بنانے کی ضرورت ہے۔ ۴۵۴ صفحات پر مشتمل یہ تاریخی دستاویز مکتبہ امام اہل سنت مرکزی جامع مسجد شیرانوالہ باغ گوجرانوالہ سے دستیاب ہے۔